قیامِ پاکستان اور نفاذِ اردو کی کوششیں

امیر حمزہ جسرا
اسسٹنٹ پروفیسر اردو
گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج جوہر آباد، خوشاب

ESTABLISHING OF PAKISTAN
AND EFFORTS FOR URDU'S PROMULGATION

Ameer Hamza Jasra
Assistant Professor of Urdu
Govt. Post Graduate College Jauharabad, Khoshab

Abstract

Urdu, after Persian, is the great repository of Islamic literature. Hence it stood for the Muslims' identity in the Sub-continent. It faced resistance by the Hindu majority who wanted promotion of Hindi written in Devnagri script. This was unacceptable for the Muslims who could not even think of abandoning it as it had become identical to the Muslims of the Sub-continent. Urdu has also been one of the causes of establishing of Pakistan. Unluckily, due to clashing interest of the ruling elite, Urdu could not become official language of Pakistan. This article sheds light on the efforts employed for making Urdu official language as well as reviews the institutions established for this purpose.

Keywords:

قیامِ پاکستان، نفاذِ اردو، قائداعظم، گاندھی، کانگریس، گیسو دراز، سرسید، سید عبداللہ، برصغیر، کلکتہ، ڈھاکہ، جامعہ عثمانیہ

پاکستان کا وجود جس نظریے کے تحت عمل میں آیا اس میں ایک زبان کا انتہائی اہم کردار ہے۔اس زبان کو اردو کہا جاتا ہے جو آج ہماری قومی زبان ہے۔ہندوستان کے مسلمانوں کا تہذیبی،تمدنی،مذہبی اور معاشرتی سرمایہ اردو زبان میں تھا،لہٰذا گاندھی جی اور کانگریس کی طرف سے اردو کے بجائے ہندی کو رائج کرنے کی حمایت دراصل اردو کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو ان کے علمی و ادبی سرمایہ سے محروم کرنے کی سازش تھی۔ کانگریس اور گاندھی جی کا موقف تھا کہ ہندوستان میں صرف ایک قوم ہے،اور ہندو،مسلمان،سکھ وغیرہ سب ایک ہی قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔لیکن برصغیر کے مسلمانوں نے اس یک قومی نظریے سے اختلاف کرتے ہوئے مخلوط انتخابات کی بھرپور مخالفت کی کیوں کہ یہی وہ صورت تھی جس کے سبب وہ اپنی زبان،مذہب،تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کو تباہ ہونے سے بچا سکتے تھے۔

''اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ قومیں اپنی ثقافت سے پہچانی جاتی ہیں اور ثقافت کا مظہر زبان ہے۔''(۱)

یوں اس زبان کے مسئلے نے مسلمانوں کے سیاسی نقطۂ نظر اور قومی حیثیت پر گہرے اثرات مرتب کیے جن کے سبب ایک ایسے علاقے کا مطالبہ سامنے آیا جس میں تمام حقوق کی آزادی کے ساتھ ساتھ مذہبی،قومی اور علمی وادبی اقدار کی ضمانت دینے والی زبان زندہ رہ سکے۔

تحریکِ پاکستان میں اردو زبان کا کردار کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔۱۸۶۷ء میں بنارس کے ہندوؤں کا اردو سے تعصب اس کے قرآنی رسم الخط کے سبب تھا جس سے اردو ہندی تنازعہ پیدا ہوا جس نے سرسید جیسے مسلمان کو جداگانہ تشخص کا احساس دیا۔یوں مسلمانوں کے ذہن میں پاکستان کا مطلب اور دو قومی نظریے کا مفہوم اردو کے ذریعے ہی سامنے آیا،یہی سبب ہے کہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اپنی مادری زبان اردو نہ ہونے کے باوجود استحکامِ پاکستان کے لیے اردو کو قومی زبان کے طور پر اپنانا ضروری سمجھا،کیوں کہ ان کے خیال میں پاکستان کے تمام اندرونی اور خارجی مسائل سے نمٹنے اور قومی نمایندگی کے لیے تمام علاقائی زبانوں کے مقابلے میں اردو زیادہ جامعیت اور ہمہ گیری کی حامل ہے۔

کسی ملک کی ایک مشترکہ اور قومی زبان ان میں اتحاد و یگانگت اور قومی وجود کی تشکیل کے ذریعے اس کے باسیوں کی شیرازہ بندی کرتی ہے جو آگے چل کر زبان کی بجائے قومیت کی شکل اختیار کر لیتی ہے:

''کسی بھی بڑی زبان کی تشکیل اور ارتقاء کے مراحل جغرافیائی وحدت میں موجود من حیث المجموع عامۃ الناس کی مشارکت اور مساعی سے تشکیل پاتے ہیں۔یہ اجتماعی مساعی شعوری سطح پر بھی ہوتی ہے اور لاشعوری سطح پر بھی۔اس کے سلسلے دانش عصر سے بھی جڑے ہوتے ہیں اور چرواہے کے گیت بھی اس کو مہمیز لگاتے ہیں اور بالآخر یہ بڑی زبان کسی قوم کا تشخص اور ثقافت کی پہچان بن جاتی ہے۔''(۲)

پاکستان کا قیام اسلام کے نام پر عمل میں آیا جس کو فروغ دینے کے لیے صوفیا کرام نے اردو زبان کو ہی ذریعہ بنایا اور آج اسلامی ادب کا ایک بڑا ذخیرہ اردو میں موجود ہے۔ یہی سبب ہے کہ تحریک پاکستان کے دوران میں مسلمانوں کے لیے اردو اور اسلام نے مترادف حیثیت اختیار کر لی تھی اور وہ ان دونوں کی بقا کی خاطر یکسو ہو کر قیام پاکستان کے مطالبے پر ڈٹے رہے:

"مسلسل سیاسی انتشارات کے نتیجے میں جب قومی تحریکات کا رخ تحریک آزادی کی صورت اختیار کرتا گیا، اردو نہ صرف ان تحریکات کو بیان کرتی ہے بلکہ عملاً خود بھی ان میں شریک نظر آتی ہے۔"(۳)

یوں اگر غور کیا جائے تو مجدد الف ثانیؒ سے لے کر پاکستان کی تحریک تک جتنی بھی تحریکیں شروع ہوئیں وہ اردو کے دورِ عروج اور اس کے عام استعمال کے سبب آگے بڑھیں، یہی نہیں بلکہ اس دور کے نثری اور شعری ادب میں بھی آزادی کا رجحان دیکھنے کو ملتا ہے۔ افسانہ، ناول، ڈرامہ، طنز و مزاح اور شاعری کی تمام اصناف میں ہمیں آزادی کی لگن دکھائی دیتی ہے۔ علی گڑھ تحریک، دیوبند، ندوہ، ریشمی رومال کی تحریک اور آزادی کی مختلف ہم عصر مذہبی و سیاسی تحریکوں میں اردو کا گہرا کردار ہے، الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، محمد حسین آزاد، مولوی نذیر احمد، عبدالحلیم شرر اور اسمٰعیل میرٹھی نے علی گڑھ تحریک کے زیرِ اثر شاعری کے ذریعے سیاسی و سماجی تحریکوں کے مقاصد کی ترجمانی کی۔ اکبر الہ آبادی، علامہ محمد اقبال، ظفر علی خان، محمد علی جوہر اور دیگر کئی شعرا نے غلامی کے خلاف آواز اٹھا کر اپنے آزادی کے جذبات اور ہندوستان پر برطانوی اقتدار کے اثرات کو کسی نہ کسی صورت ظاہر کر کے مسلمانوں میں ملی اور سیاسی شعور بیدار کیا۔ زبان قوموں کے مزاج اور تشخص میں انتہائی اہمیت کی حامل اور قومی عظمت کی علامت تصور ہوتی ہے:

"تحریکِ پاکستان و قیامِ پاکستان سے لے کر پاکستان کی موجودہ سیاست و معاشرت، ثقافت و مذہب اور تعلیم و ادب میں سے کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کی تعمیر و توسیع میں کم و بیش اردو کا دخل نہ ہو۔ جس دو قومی نظریے کے تحت پاکستان وجود میں آیا ہے اس کا اہم عنصر یہی اردو زبان تھی۔"(۴)

اردو زبان جب مسلمان سپاہیوں اور صوفیا کے ساتھ دکن اور گجرات پہنچی تو یہاں اسے پہلی بار فروغ کی طرف قدم بڑھانا نصیب ہوا۔ ۱۲۹۷ء میں دکن اور ۱۲۹۹ء میں گجرات کی فتح کے بعد علاؤالدین خلجی نے ان علاقوں میں اپنے صوبے دار مقرر کیے، بعد ازاں محمد تغلق نے ۱۳۲۷ء میں دکن کے شہر دیوگری کو دولت آباد کا نام دے کر اپنا دارالحکومت بنایا اور وہاں کثیر تعداد میں لوگوں کے منتقل ہونے سے ان علاقوں میں اردو کو فروغ حاصل ہوا۔ چناں چہ دکن کے مشہور صوفی خواجہ بندہ نواز گیسودراز (متوفی ۱۴۲۲ء) کی کتاب "معراج العاشقین" اور

آگے چل کر شمس العشاق میراں جی (متوفی ۱۴۹۶ء) نے "خوب ترنگ" لکھ کر گجرات میں اردو زبان کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ دکن میں بیجاپور اور گول کنڈہ کے عادل شاہی (۱۴۸۹ء تا ۱۶۸۶ء) اور قطب شاہی (۱۵۱۸ء تا ۱۶۸۷ء) حکمرانوں نے اپنی ادب پروری اور سخن پسندی کے سبب ان سلطنتوں کو دکن میں اہم علمی مراکز کا درجہ عطا کر دیا۔ ان سلاطین نے اردو کی سرکاری سرپرستی کرتے ہوئے اسے شاہی دفاتر میں رائج کیا۔ علی عادل شاہ نے اردو کو سرکاری زبان کی حیثیت عطا کی جس سے اس کو بھرپور طور پر فروغ حاصل ہوا۔

> "اردو برصغیر کے رابطے کی زبان کے طور پر وجود میں آئی اور اپنی اسی خصوصیت کی بنا پر سرکاری زبان بھی رہی۔"(۵)

مغل حکمرانوں کی فتح دکن کے بعد شمال اور جنوب کی زبان کی آمیزش سے اردو نے جدت کی راہ اپنائی۔

اردو زبان کو اپنا موجودہ نام "اردو" سترھویں صدی میں ملا، اس سے پہلے اسے اپنی نشو ونما کے دور میں کئی ناموں سے پکارا جاتا رہا جن میں ہندی، ہندوی، ہندوستانی، اندوستانی، ریختہ، دہلوی، گوجری، دکنی، اردوئے معلی اور پھر اردو کا نام لیا جا سکتا ہے، جسے سب سے پہلے زبان کے نام کے طور پر ۱۷۶۲ء میں استاد مائل دہلوی نے استعمال کیا۔ معروف صورتوں میں اگرچہ اس کوتر کی زبان کا نام کہا جاتا ہے تاہم اس کا تعلق پاک وہند کی زبانوں کے ہند آریائی خاندان سے ہے۔

اردو کی اصل اور ارتقا کا مسئلہ بہت الجھاؤ اور پیچیدگی کا حامل ہے جس پر ماہرین لسانیات میں بہت زیادہ اختلافات دکھائی دیتے ہیں۔ مختلف علاقوں مثلاً پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان اور دکن کے علاوہ برج بھاشا، کھڑی بولی، ہریانی، پالی اور مہاراشٹری میں اردو زبان کی بنیادیں ڈھونڈنے کی کوششیں کی گئی ہیں جس کی وجہ اس زبان کی علاقائی وسعت اور وہاں کی زبانوں کے اثرات ہیں۔ اس ضمن میں یہ ایک اہم حقیقت ہے کہ اردو نے اپنے ارتقا کی اہم منازل مسلمانوں کے دورِ حکومت میں ہی طے کیں۔ دکن کے مسلمانوں نے اپنے قومی تشخص کے اظہار اور فارسی کی جانشینی کے لیے اردو زبان کا انتخاب کیا۔ ولی اورنگ آبادی (متوفی ۱۷۰۸ء) نے اردو زبان کو نئی توانائی عطا کی اور جب اس کا دیوان دلّی پہنچا تو آہستہ آہستہ شمالی ہند میں بھی مغل بادشاہ محمد شاہ کے زمانے میں اردو کو فروغ حاصل ہوا، اور یوں غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ اور رباعی کی اصناف کے ذریعے دکن اور شمالی ہند کے مسلمان شعرا نے اردو کو مسلمانوں کے ادب کے ساتھ جوڑ دیا۔ اٹھارویں صدی عیسوی کے آغاز میں مغلیہ سلطنت کے زوال یعنی اورنگ زیب عالم گیر کی وفات کے بعد مغلوں کی کمزوری کا سیاسی فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزوں نے رائج سرکاری زبان فارسی کی جگہ اردو کو فروغ دینے کی کوشش کی جس کی وجہ ان کی سامراجی ضرورت تھی اور جب انھیں اقتدار حاصل ہو گیا تو اردو ہندی لسانی تنازع کے ذریعے برصغیر کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات کی بنیاد رکھ دی۔

۱۷۳۹ء سے ۱۷۷۶ء تک نادر شاہ اور احمد شاہ کے حملوں نے دہلی کے شعرا کو لکھنؤ ہجرت کرنے پر مجبور کردیا جہاں اردو نے نیا رنگ اختیار کر کے ترقی اور فروغ حاصل کیا۔ دہلویت کی نمائندہ مثنوی "سحرالبیان" کے مقابلے میں" گلزارِنسیم " لکھنویت کی ترجمان تھی لیکن اس پر بھی ہمیں مسلمان معاشرت کی جھلک واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔اگر چہ اسے ہندو پنڈت دیا شنکر نسیم نے لکھا تھا لیکن پھر بھی مسلم تہذیب کی وہ فضا واضح طور پر نظر آتی ہے جو اردو کے مزاج کا حصہ بن چکی تھی۔لکھنؤ میں اردو زبان کو نکھار حاصل ہوا۔اس دور میں الفاظ وتراکیب اور تذکیر وتانیث کے حوالے سے نئے نئے تجربات کے سبب موجودہ پاکستان میں شامل پنجاب کی زبان سے کافی مماثلت دکھائی دیتی ہے۔ایسٹ انڈیا کمپنی کے احکامات کے تابع کٹھ پتلی مغل شہنشاہیت کے ۱۸۵۷ء میں خاتمے کے بعد ۱۸۷۳ء میں فورٹ ولیم قلعہ مکمل ہوا،پھر مدراس اور بمبئی میں پریزیڈنسی کے قیام کے بعد اگلے دوسو سال کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت قائم ہوگئی:

> "جنگِ آزادی کے لگ بھگ اہلِ یورپ کی تصانیف پر ہندوستانی کے ساتھ ساتھ اردو کا لفظ بھی دکھائی دینے لگا۔اردو قواعد اور لغت پر سب سے پہلے پرتگالیوں اور ولندیزیوں (اہلِ ہالینڈ) نے توجہ دی۔۔۔انگریزوں نے اپنے ملازمین کے لیے اردو کا سیکھنا اور پھر اس میں امتحان پاس کرنا لازم کردیا۔۱۸۳۲ء/۱۲۴۸ھ میں اردو کو سرکاری زبان قرار دے دیا گیا۔انگریز حکام اور اہلِ قلم نے اردو میں تصنیف وتالیف کا آغاز بھی کردیا۔عدالت کی زبان اردو میں ہوتے ہی کارروائیاں اور فیصلے بھی اردو میں لکھے جانے لگے،اردو میں قانون کی کتابیں بھی عام ہو گئیں۔اس وقت انگریزی تعلیم کا دور دور تک پتا نہ تھا،اس لیے اردو مصنفین کی حوصلہ افزائی بھی ہونے لگی،انہیں انعامات دیے جاتے تھے۔"(۶)

انگریزوں نے غیر ارادی اور بالواسطہ فروغِ اردو میں مدد کی جس کا ثبوت ہمیں فورٹ ولیم کالج کے کئی پہلوؤں میں دکھائی دیتا ہے۔یہ وہ ادارہ تھا جہاں چھاپہ خانہ اور ترجمہ کی اولین کاوشیں اردو کے حصے میں آئیں اور مختلف اصناف کی کتب قارئین تک پہنچیں۔دلچسپ بات ہے کہ ان غیر ارادی کوششوں کا تمام تر سہرا انگریزوں کے سر ہے جن میں سب سے اہم نام لارڈ ولزلی اور ڈاکٹر گل کرسٹ کا ہے۔یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اردو زبان کے فروغ کا ذریعہ بنتے ہوئے پہلے فورٹ ولیم کالج نامی ادارہ قائم کیا اور پھر اردو کو پھلنے پھولنے کا موقع عطا کیا:

> "فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں ہندوستانی شعبے کے سربراہ ڈاکٹر گل کرسٹ کو بھی اردو سے غیر معمولی شغف تھا۔۱۸۰۰ء میں لارڈ ولزلی کے منشا سے یہ کالج قائم ہوا اور گل کرسٹ کی کوششوں سے اس میں اردو نثر کو خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔۱۸۳۲ء میں اہلِ یورپ ہی نے اردو کو فارسی کی جگہ سرکاری زبان قرار دیا۔"(۷)

۱۸۵۷ء کے بعد اردو زبان مقصدیت اور اجتماعیت کے سہارے آگے بڑھنے لگی اور یوں فورٹ ولیم کالج، سرسید تحریک، ترقی پسند تحریک اور حلقہ اربابِ ذوق نے اور آگے چل کے دیگر کئی اداروں نے اردو زبان کے فروغ کے لیے راہیں ہموار کیں۔ ان اداروں نے ادیبوں، شاعروں اور تخلیق کاروں کو ایسے پلیٹ فارم مہیا کیے جس سے ان کی تخلیقات کو پذیرائی ملی اور ادب میں ان کا نام اردو زبان کے ساتھ جڑ گیا۔ ان ادیبوں اور محبانِ اردو نے اردو کو اپنی زبان سمجھ کر اس کا ہر حوالے سے دفاع کیا اور اس کے خلاف پیدا ہونے والی ہر سازش کا قلع قمع کرتے ہوئے اسے زندہ رکھا:

> "اردو سے عربی فارسی الفاظ نکال کر اسے ناگری رسم الخط میں لکھا گیا تو موجودہ ہندی وجود میں آئی جو بھارت کی قومی زبان ہے۔ ۱۸۷۱ء میں انگریزوں نے بہار میں ہندی نافذ کی۔ اس سے پہلے بنگال کے لیے ناگری رسم الخط اختیار کیا جا چکا تھا۔ مسلمانوں کو تشویش لاحق ہوئی۔ سرسید احمد خان نے ۱۸۷۳ء میں الٰہ آباد میں ایک جلسہ کیا اور مرکزی مجلسِ تحفظِ اردو قائم کی۔۔۔ لیکن زبان کا مسئلہ بھی اہم تھا چناں چہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا شعبہ علمیہ قائم کیا گیا اور اس کا نام انجمنِ ترقیِ اردو رکھا گیا۔" (۸)

ہندوؤں کے معاندانہ رویے کے سبب جہاں اردو ہندی مسئلے میں اردو کو اہمیت نہ مل سکی وہیں یہ طرزِ عمل مسلمانوں کے الگ تشخص کی مضبوطی کا باعث بھی بنا اور یوں برِصغیر کے مسلمانوں کو یہ احساس ہو گیا کہ اردو ان کی شناخت کی مظہر ہے اور ان کی تہذیبی و معاشرتی زندگی اسی سے جڑی ہونے کے سبب ان کے لیے اس کا فروغ اور تحفظ ان کی ذمہ داری ہے۔ ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کے اسی زاویۂ نظر کو محسوس کرتے ہوئے اور اردو کو مسلمان قوم کی زبان تصور کرتے ہوئے اس کی مخالفت میں کوئی کسر باقی نہ رکھی:

> ''جب ہندی نے اور زور پکڑا تو مسلمانوں نے 'ڈیفنس آف اردو' کے نام سے ایک انجمن قائم کی اور اردو کو مسلمانوں کا ایک اہم مسئلہ قرار دیا تا آنکہ ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ قائم ہوئی تو اس نے اپنے محضرنامے میں وائسرائے پر ثابت کیا کہ اردو مسلمانوں کی قومی زبان بھی ہے اور سارے ہندوستان کی لنگوا فرینکا بھی۔ لیکن مخالفت کا یہ سلسلہ چلتا رہا اور قیامِ پاکستان تک یہ نزاع جاری رہی۔'' (۹)

ایسی صورتِ حال میں کانگریس کا ہندی کی حمایت کرنا اور مسلم لیگ کا اردو کے لیے کوشاں ہونا ایک لازمی امر تھا کیوں کہ اس نے اس چیز کو محسوس کر لیا تھا کہ مسلمان اردو میں اپنائیت محسوس کرتے ہیں اور اس کے مقابلے میں ہندو اپنے لیے ہندی زبان کا تحفظ اور فروغ ضروری گردانتے ہیں۔ لہٰذا کانگریس اور مسلم لیگ کی طرف سے بالترتیب ہندی اور اردو کی حمایت کا عمل فطرت کے تقاضوں کے مطابق تھا۔

"برصغیر کے مسلم تشخص کے تحفظ اور مسلم تمدن کی شناخت کے اظہار کے لیے مسلم لیگ نے ۱۹۳۷ء کے اجلاس لکھنؤ میں اردو کی حمایت میں ریزولیوشن منظور کیا۔اس ریزولیوشن نے اردو زبان کو مسلمانوں کی قومی زبان قرار دے کر اس کی ترویج وترقی اور اس کے تحفظ کی ضرورت پر زور دیا۔مسلم لیگ کے اس فیصلے اور اس ریزولیوشن نے اردو ہندی مسئلے کو سیاسی اعتبار سے حل کردیا اور اردو مسلمانوں کے فکروعمل،ان کی جدوجہد اور ان کی تحریک آزادی کی علامت بن گئی۔اس لحاظ سے ۱۹۳۷ء کا اردو کے بارے میں ریزولیوشن سرسید کی اس رائے کی تائید اور تصدیق کرتا تھا جو انہوں نے بنارس کے ہندوؤں کے لسانی رویے کو ملحوظ رکھتے ہوئے ۱۸۶۷ء میں دی تھی۔"(۱۰)

برصغیر پاک وہند میں آزادی کے برطانوی ایکٹ ۱۹۴۷ء کے تحت آزاد ہونے والی دوریاستوں نے اپنی اپنی قومی زبان کو منتخب کر کے تحریکِ آزادی کے دوران نزاع کا باعث بننے والے اردو ہندی تنازعہ کو ایک طرح سے حل کرلیا تھا اور یوں جداگانہ قومی تشخص کی شناخت بننے والی ان زبانوں میں سے بغیر کسی شرط کے اردو پاکستان کی اور ہندی بھارت کی قومی زبان بن گئی جس کے سبب ان دو متحارب زبانوں کے آپس میں ٹکرانے کے امکانات ختم ہو گئے۔مولوی عبدالحق نے ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کے دہلی میں منعقدہ ایک اجلاس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"سرفیروز خان نون نے اپنی تقریر انگریزی میں شروع کی تو ہر طرف سے شوروغل ہوا۔۔اردو! اردو! اس سے مجبور ہو کر انہوں نے کچھ جملے اردو میں ارشاد فرمائے اور اس کے بعد انگریزی ہی میں بولنے لگے۔اس پر پھر اردو! اردو! کا شور ہوا۔تب آپ نے جل کر کہا کہ قائدِ اعظم بھی تو انگریزی میں تقریر کرتے ہیں۔یہ سن کر قائدِ اعظم اپنی کرسی سے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور صریح اور صاف الفاظ میں فرمایا کہ فیروز خان نون نے میرے پیچھے پناہ لی ہے لہٰذا میں اعلان کرتا ہوں کہ پاکستان کی زبان اردو ہوگی۔اس پر تمام حاضرین نے بڑے جوش سے تالیاں بجائیں۔"(۱۱)

اسی طرح بانیٔ پاکستان نے بھی اردو زبان کو ہی پورے پاکستان کے لیے رابطے کی واحد زبان تصور کرتے ہوئے اس قدر اہمیت دی کہ ہر موقع پر اسی کو قومی رابطے کا ذریعہ قرار دیا۔پاکستان بننے کے کچھ عرصے کے بعد ڈھاکہ یونیورسٹی میں خطاب کرتے ہوئے قائدِ اعظم نے فرمایا:

"اگر پاکستان کے مختلف حصوں کو باہم متحد ہو کر ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونا ہے تو اس کی سرکاری زبان ایک ہی ہو سکتی ہے اور وہ میری ذاتی رائے میں اردو ہے اور صرف اردو ہے"۔(۱۲)

پاکستان وجود میں آیا تو زبان کے بارے میں کوئی اختلاف نہ تھا۔تحریکِ پاکستان کے دوران میں مسلمان بنگالیوں نے اردو ہی کے حق میں رائے دی تھی لیکن قیامِ پاکستان کے ایک سال بعد قوم پرست ہندو بنگالیوں کے زیر اثر بنگالی زبان کا سوال سامنے آگیا جس نے آگے چل کر سقوطِ ڈھاکہ جیسے اذیت ناک سانحے کو جنم دیا۔۲۷نومبر ۱۹۴۷ء کو کل پاکستان تعلیمی کانفرنس میں اردو زبان کی اہمیت اور اس کے بین الصوبائی کردار پر روشنی ڈالی گئی:

"کانفرنس کے اختتام پر قرارداد منظور کی گئی کہ اردو کو قومی زبان کے طور پر تسلیم کیا جائے اور اسے قومی زبان کا درجہ دیا جائے"(۱۳)

۲۱مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ میں ایک جلسہ کے دوران قائداعظم نے فرمایا:

"میں یہ واضح طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو اور صرف اردو ہوگی ۔جو کوئی آپ کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ پاکستان کا دشمن ہے ۔ایک مشترکہ سرکاری زبان کے بغیر کوئی قوم متحد نہیں رہ سکتی۔دوسرے ملکوں کی تاریخ اس کی گواہ ہے ۔پس جہاں تک پاکستان کی سرکاری زبان کا تعلق ہے وہ اردو ہی ہوگی ۔"(۱۴)

۲۴مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ یونیورسٹی کے کانووکیشن میں قائداعظم نے فرمایا:

"یہ بات بے حد اہم ہے کہ بھارت نے اردو کو اپنے ملک سے جلاوطن کر دیا ہے حتیٰ کہ اردو رسم الخط کو بھی ممنوع قرار دے دیا ہے ۔۔۔اگر پاکستان کے مختلف حصوں کو باہم متحد ہو کر ترقی کی راہ پر گامزن ہونا ہے تو اس کی سرکاری زبان ایک ہی ہو سکتی ہے اور وہ میری ذاتی رائے میں اردو اور صرف اردو ہے ۔"(۱۵)

۲۸مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈاکٹر عمر حیات ملک اور ڈاکٹر سید عبداللہ کی تحریک پر منعقد ہونے والی تعلیمی کانفرنس میں اردو کو ذریعہ تعلیم بنا کر انگریزی کے برابر اہمیت دینے کے ساتھ ساتھ اردو رسم الخط اور محکمۂ اردو کے قیام کے حوالے سے ماہرین کی کمیٹی کی تشکیل اور ایک جامع سکیم بنانے پر زور دیا گیا ۔

"طلوعِ پاکستان کے بعد ہزاروں دوسری امیدوں کی طرح ایک امید یہ بھی تھی کہ مسلم لیگ کی قرارداد کے مطابق اردو کو فوری طور پر سے قومی و سرکاری حیثیت مل جائے گی ۔قائداعظم اس معاملے میں مکمل طور پر پرجوش تھے جیسا کہ اعلانِ ڈھاکہ نے ثابت کر دیا اور میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ مسلم لیگ بھی مخلص تھی لیکن اچانک کئی قسم کے دوسرے مسائل ابھر آئے ۔۔۔تاہم ناامیدی کسی کو نہ تھی اور ہر شخص پاکستان میں اردو کو شایانِ شان رتبہ دلوانے کے لیے تجاویز سوچ رہا تھا ۔"(۱۶)

ڈھاکہ میں تیسری پاکستان کانفرنس کے خطبے میں سید سلیمان ندوی کی طرف سے بنگلہ زبان کو ہندو تہذیب کی حامل قرار دینے پر فسادات پھوٹنے کے سبب مشرقی پاکستان میں اردو کی مخالفت شروع ہو گئی جس کے سبب کل پاکستان مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کو ۲۰ اپریل ۱۹۵۴ء کو اردو کے ساتھ بنگلہ زبان کو بھی قومی زبان کا درجہ دینا پڑا جس سے اثر لے کر ۸ مئی ۱۹۵۴ کو دستور ساز اسمبلی نے بھی اس کی سفارش کر دی ۔۱۹۵۶ء کے آئین میں واضح طور پر قومی زبان کی ترقی و فروغ کے لیے تمام ضروری اقدامات کرنے اور دس سال بعد انگریزی کی جگہ متبادل انتظام کی سفارشات کے لیے ایک کمیشن بنائے جانے پر زور دیا گیا لیکن ان لسانی سفارشات نے قومی زبان کو فائدہ پہنچانے کے بجائے پاکستان کے لیے قائداعظم کے بنیادی تصورات کی نفی کی بنیاد رکھی ۔اسلام اور اردو کو عوامی طور پہ اساسی حیثیت حاصل تھی جن پر سمجھوتے کے سبب پہلی بار قائداعظم کے نظریے کی نفی ہوئی:

"دستوریا ساسی کی ان لسانی سفارشات نے پاکستان کے لیے آئندہ خطرات کے ایک دو نہیں سب دروازے کھول دیے اور اس سے کوئی سوچے اور محسوس کرے تو قائداعظم کے جملہ بنیادی تصورات (بسلسلہ ریاست پاکستان) کی نفی و تخریب کا سنگِ بنیاد رکھ دیا ۔"(۱۷)

یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ نفاذِ اردو کی تمام تر کوششوں کے باوجود اردو کو نافذ ہونا تو نصیب نہ ہوا البتہ بنگالی زبان کو بھی قومی زبان کا درجہ مل جانے سے اردو سے توجہ ہٹتی چلی گئی:

"اردو کے خواص نما طبقے کی ان کوششوں اور بظاہر مقتدر طبقے کی اردو کی حمایت کے باوجود پچاس کی دہائی کے اواخر میں ایوب خان کے مارشل لاء نے جب جمہوریت کی بساط الٹ دی تو صرف انگریزی ہی مسلط رہ گئی ۔۱۹۵۶ء میں بنگالی بھی پاکستان کی ایک قومی زبان بن گئی تو دفتری بیانات میں اردو پر زیادہ توجہ ممکن نہ رہی ۔"(۱۸)

لیکن یہ کہنا بھی ضروری ہوگا کہ صدر ایوب خان انگریزی پسند ہونے کے باوجود عوامی جذبات کو سمجھتے تھے ۔یہی وجہ تھی کہ جولائی ۱۹۶۹ء کو یورپ جاتے ہوئے لاہور اسٹیشن پہ انھوں نے بیان دیا:

"اردو ہمارے بزرگوں کی تدبر کی علامت ہے اس کا پورا تحفظ کیا جائے" ۔(۱۹)

صدر ایوب خان کے دور میں اردو کی حمایت میں زبردست آوازیں اٹھیں اور مغربی پاکستان یوتھ موومنٹ' اردو کے لیے اور زیادہ سرگرم دکھائی دینے لگی ۔۱۹۶۱ء میں اشتہارات، دعوتی کارڈوں اور کاروں کی نمبر پلیٹوں پر اردو زبان کے استعمال پر زور دیا جانے لگا ۔شریف کمیشن کی سفارشات کے تحت لاہور میں مجید ملک کی نظامت میں مرکزی اردو بورڈ قائم ہوا اسی طرح علامہ رحمت اللہ ارشد اور خواجہ محمد صفدر نے دو مرتبہ صوبائی اسمبلی میں اردو بل پیش کیا جسے کامیاب نہ ہونے دیا گیا ۔نور خان کی تعلیمی تجاویز میں بھی انگریزی کی بجائے تمام تعلیم اور امتحان قومی زبان میں کروانے پر زور دیا گیا ۔ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی تحریک اور عوام سے خطاب میں

قومی زبان کو ذریعہ اظہار بنایا۔ان کے دور میں صوبوں میں گورنر مقرر ہوئے تو بلوچستان،سرحد اور پنجاب میں دفتری زبان اردو قرار پائی البتہ سندھ میں ایسا حکم جاری نہ ہو سکا تاہم اسی حکومت کے دور میں صدر کی منظوری کے بعد ۱۴/اگست ۱۹۷۳ء کو نیا آئین نافذ کر دیا گیا جس کی شق ۲۵۱ میں قومی زبان کو پندرہ سال کے اندر سرکاری حیثیت دینے کا وعدہ کیا گیا۔اگر چہ یہ کام اتنا مشکل نہیں تھا لیکن ۱۹۷۳ء کی لسانی شقوں پر صحیح معنوں میں عمل نہ ہو سکنے کے باعث اردو زبان کا نفاذ نہ ہو سکا۔جنرل ضیاء الحق کے دور میں اردو کی حمایت میں کچھ اقدامات کیے گئے جس سے انگریزی زبان کی حمایت میں ردِ عمل بھی سامنے آیا جس پر اس دور کے اخبارات نے انگریزی کے برقرار رہنے کی پیشین گوئی کر دی۔یوں اس وقت کے وزیرِ تعلیم نسیم احمد آہیر کو کہنا پڑا:

> ''اردو پوری طرح پروان نہیں چڑھی ہے اور انگریزی کو ختم کرنے کا فیصلہ جلدی میں کیا گیا ہے''۔(۲۰)

حالانکہ اگر طلب اور رسد کے اصول کو دیکھا جاتا تو یہ مسئلہ فوراً حل کیا جا سکتا تھا کیوں کہ جب کسی چیز کی ضرورت بڑھ جاتی ہے تو اس کے بازار میں لانے والے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔اگر شروع دن سے ہی اردو کے نفاذ کا اعلان کر دیا جاتا تو ہر میدان کے علم سے متعلق بے شمار کتابیں ترجمہ ہو کر مارکیٹ میں آجاتیں۔

> ''کتابوں کی تصنیف اور اردو ذریعۂ تعلیم میں تدریس ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔گھوڑے کو تانگے کے آگے لگایا جاتا ہے،تانگے کے پیچھے نہیں لگایا جاتا۔۔۔لیکن سرکاری مطالبہ یہی تھا کہ پہلے درسی کتابیں لکھی جائیں پھر نفاذِ اردو کیا جائے گا۔جب حکومت کے سامنے مقتدرہ قومی زبان (ادارہ فروغِ قومی زبان) نے تیز رفتاری سے کام لے کر اپنی ذمہ داری پوری کر دی پھر مختلف حیلوں بہانوں سے اس معاملے کو معلق رکھا گیا۔''(۲۱)

آخر تقریباً تہتر سال پہلے جامعہ عثمانیہ (انڈیا) نے بھی تو تمام سائنسی علوم کی اصطلاحات اردو میں ترجمہ کر کے دنیا کو دکھا دیا تھا کہ اردو میں تمام علوم کی تعلیم ممکن ہے تو پھر ایسی کیا رکاوٹ ہے کہ بانی پاکستان کے واضح فرمان اور فروغِ اردو کے کئی اداروں کے قیام کے باوجود آج ستر سال بعد بھی ہم اردو کے نفاذ کو عملی شکل نہیں دے پائے ہیں؟

> ''آج کی دنیا میں پاکستان کے علاوہ شاید ہی کوئی ایسی مثال ہو جہاں قومی زبان کی وجہ سے قومی وحدت مجروح ہوتی رہی ہو۔یعنی جو زبان قیامِ پاکستان سے پہلے چودہ صوبوں والے برِ عظیم کو اکٹھا کرتی رہی وہ قیامِ پاکستان کے بعد پانچ یا چار صوبوں والے اس ملک کو ماضی قریب والی باہمی قربت نہ دے سکی۔''(۲۲)

تاہم مایوسی کی اس تمام صورتِ حال کے باوجود اردو سے محبت کرنے والوں نے ہمت نہیں ہاری ہے۔اس حوالے سے نفاذِ اردو کے لیے پاکستان میں جو کوششیں ہوئی ہیں ان کا تذکرہ ضروری ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد ہی اردو زبان کے فروغ اور اس کے نفاذ کے لیے کوششیں شروع کر دی گئی تھیں جن کے ردِ عمل کے طور پر اگرچہ کئی وعدے آج تک وعدے ہی ہیں اور ان کو پورا ہونا نصیب نہیں ہوا لیکن ایسی کوششیں یقیناً قابلِ تحسین ہیں۔ان کوششوں کے نتیجے میں کچھ ایسے سرکاری، نیم سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کا قیام عمل میں آ گیا جنھوں نے قومی زبان کے فروغ میں بالواسطہ اور بلاواسطہ کردار ادا کیا۔ان میں اہم نام یہ ہیں:

انجمنِ ترقی اردو پاکستان (کراچی)

انجمنِ ترقی اردو کی ابتدائی جڑیں ۱۸۸۶ء میں سرسید احمد خان کی قائم کردہ 'مسلم ایجوکیشنل کانفرنس' سے ملتی ہیں جس کی ۱۹۰۳ء میں نئی شاخیں بنیں تو ایک شعبہ 'شعبہ ترقی اردو' بھی شامل کیا گیا۔یہی وہ شاخ تھی جو آگے چل کر 'انجمنِ ترقی اردو' کی شکل میں ظاہر ہوئی۔اس کے پہلے سیکرٹری علامہ شبلی نعمانی اور پہلے منتخب صدر تھامس واکر آرنلڈ (Thomas Walker Arnold) مقرر ہوئے۔۱۹۱۲ء میں جب مولوی عبدالحق سیکرٹری مقرر ہوئے تو انھوں نے ۱۹۱۳ء میں اسے علی گڑھ سے اورنگ آباد (ریاست حیدرآباد) منتقل کیا۔۱۹۳۸ء میں اس کا دفتر دہلی منتقل کر دیا گیا جہاں 'انجمن' مولوی عبدالحق کی سرپرستی میں ۱۹۴۹ء تک کام کرتی رہی۔بابائے اردو کی ۱۹۴۹ء میں کراچی ہجرت کے ساتھ ہی 'انجمن' کا دفتر بھی کراچی منتقل ہو گیا۔۱۶/اگست ۱۹۶۱ء میں بابائے اردو کی وفات کے بعد اس کی ذمہ داری جمیل الدین عالی نے سنبھالی۔جوش ملیح آبادی نے بھی اس کی ترقی کے لیے اہم کردار ادا کیا۔ازاں بعد اس کی سربراہی ڈاکٹر فاطمہ حسن نے سنبھالی۔موجودہ صدر ڈاکٹر صادق الرحمان قدوائی اور جنرل سیکرٹری کی ذمہ داری ڈاکٹر اطہر فاروقی نے سنبھال رکھی ہے۔انجمن ابھی تک تحقیقی و تصنیفی کام کی اشاعت میں مصروف ہے۔''قومی زبان'' اور ''رسالہ اردو'' جیسے خوب صورت ماہنامے اسی ادارہ سے باقاعدگی سے نکلتے ہیں۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ

اورینٹل کالج لاہور کے پرنسپل ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کے ۱۹۴۰ء میں پیش کردہ خیال کو ۱۹۴۸ء میں ڈاکٹر عمر حیات ملک کی سربراہی میں ڈاکٹر سید عبداللہ سمیت ۲۴ اراکین نے عملی جامہ پہنانے کے لیے منظور کیا۔ان اراکین نے ایک مجلس کی شکل میں ہالینڈ کے علمی مرکز لائیڈن کے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا تراجم اور اضافوں کے ساتھ ۲۰ سے ۲۲ جلدوں کی صورت میں ترجمہ کرنے کا منصوبہ بنایا جس میں ہر جلد کی سو کے قریب توضیحات کا منصوبہ بھی تھا۔۱۹۵۰ء میں ۱۵ اراکین پر مشتمل اس مجلس کے پہلے صدر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع جب کہ پہلے معتمد مولوی ظفر اقبال مقرر کیے گئے۔فروری ۱۹۵۴ء تک اس کی ایک ہی جلد شائع ہو سکی جبکہ ۱۹۶۲ء میں

مولوی محمد شفیع کی وفات کے وقت اس کی دوسری جلد اشاعت کے مراحل میں تھی۔ان کی وفات اور فنڈ کی کمی کی وجہ سے دائرہ معارف اردو کا کام ۱۹۷۱ء تک تعطل کا شکار رہا جب ایشیا فاؤنڈیشن کی طرف سے ملنے والی گرانٹ سے دوبارہ کام کا آغاز کیا گیا۔۱۹۷۳ء تک جلد ۱۰ اور ۱۲ بھی مکمل کر لی گئی۔۱۹۸۵ء تک ۲۵ میں سے ۲۱ جلدوں کی اشاعت کا کام تکمیل کو پہنچ گیا۔

اردو لغت بورڈ

حکومتِ پاکستان نے وزارتِ تعلیم کی ایک قرارداد کے مطابق ۱۹۵۸ء میں آکسفورڈ ڈکشنری کی طرز پر اردو کی ایک جامع لغت تیار کرنے اور اردو زبان و ادب کی ترقی کے لیے ایک خودمختار ادارے کے طور پر ''ترقی اردو بورڈ'' قائم کیا۔۱۹۸۲ء سے اس کا نام ''اردو لغت بورڈ'' رکھ دیا گیا جب کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی عدالتِ عظمیٰ کے ۲۲ نومبر ۲۰۰۷ء کے ایک حکم نامے (F.5-3/2007-NI) کے بعد اردو لغت بورڈ کی خودمختار حیثیت ختم کر کے اسے وفاقی وزارتِ تعلیم کے ماتحت کر دیا گیا۔اپریل ۲۰۱۰ء میں ۶۲ سال کی محنت کے بعد اس ادارہ نے ایک ایسی جامع اردو لغت کی اشاعت کی ہے جو ہماری ہزار سالہ تہذیبی و تمدنی تاریخ کی عکاسی کرتی ہے۔پاکستان کے علاوہ اس طرز کا جامع نوعیت کا کام صرف انگلستان اور جرمنی میں دیکھا جا سکتا ہے۔اس کے پہلے مدیرِ اعلیٰ، بابائے اردو مولوی عبدالحق تھے جب کہ موجودہ سید عقیل عباس جعفری ہیں جو ۲۰۱۶ء سے اس عہدہ پر فائز ہیں۔عمائد اردو کا عہدہ سب سے پہلے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اور موجودہ ڈاکٹر یونس حسنی ہیں۔پہلے صدر ممتاز حسن تھے اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری تھے۔۲۰۰۷ء میں اس ادارہ کی خودمختار حیثیت ختم ہوئی تو صدر کا عہدہ ختم کر دیا گیا۔

مجلسِ ترقی ادب

مشرق و مغرب کی اعلیٰ پائے کی کتابوں کو اردو میں منتقل کرنے کے لیے ۱۹۵۰ء میں محکمہ تعلیم پنجاب نے ''مجلسِ ترجمہ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔۱۹۵۸ء میں اس ادارہ کی تشکیلِ نو کرتے ہوئے مغربی پاکستان حکومت نے ''مجلسِ ترقی ادب لاہور'' کا نام دے کر نئے سرے سے اس کے اغراض و مقاصد کا تعین کیا۔یہاں سے ادبی مجلّہ 'صحیفہ' ۱۹۵۷ء سے اب تک شائع ہو رہا ہے اور اب تک اس ادارہ سے ساڑھے چار سو سے زاید کتب شائع کی جا چکی ہیں۔سابق ڈائریکٹروں عابد علی عابد، حمید احمد خان، احمد ندیم قاسمی اور شہزاد احمد جیسے محققین نے نایاب کتابوں کی ایک بڑی تعداد مجلسِ ترقی ادب کی لائبریری کے لیے عطیہ کیں۔آج یہاں تقریباً ۲۸ ہزار کتب موجود ہیں۔اس ادارہ نے دکنی دور سے اب تک کے موجودہ مشاہیر اردو کے حالاتِ زندگی کا پانچ جلدوں پر مشتمل ایک جامع انسائیکلو پیڈیا شائع کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔مجلسِ ترقی ادب کے موجودہ ڈائریکٹر ڈاکٹر تحسین فراقی ہیں۔

اردو سائنس بورڈ

صدر محمد ایوب خان کے قائم کردہ تعلیمی کمیشن کی تجویز پر ۲۴ مئی ۱۹۶۲ء کو لاہور میں مرکزی اردو بورڈ قائم ہوا جس کی مجلسِ نظما انیس افراد جب کہ انتظامی کمیٹی میں چیئرمین اور ڈائریکٹر کے علاوہ چھ اراکین تھے۔ بورڈ کے سرپرست خود صدرِ مملکت بنے۔ جسٹس ایس اے رحمان مجلسِ نظما کے صدر جب کہ کرنل مجید ملک کو بورڈ کا ڈائریکٹر بنایا گیا۔ بعد ازاں مختلف ترقیاتی اداروں کے ناموں اور مقاصد کی تبدیلی کی پالیسی کے تحت مرکزی اردو بورڈ کا نام تبدیل کر کے "اردو سائنس بورڈ" رکھتے ہوئے اس کے دائرہ کار میں بھی تبدیلی کی گئی۔ اردو سائنس بورڈ کے موجودہ ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر ناصر عباس نیر ہیں۔

اردو اکیڈمی بہاول پور

۱۹۵۹ء میں کمشنر بہاول پور مسعود حسن شہاب کی تحریک پر اردو اکیڈمی بہاول پور قائم ہوئی جس کا باقاعدہ افتتاح ۱۹۶۰ء میں کیا گیا۔ قواعد کی رو سے پہلے صدر کمشنر بہاول پور مسعود حسن شہاب قرار پائے۔ نائب صدر، جنرل سیکرٹری اور سیکرٹری مالیات کا تقرر صدر کا اختیار تھا۔ ناظم تعلیمات اور اسسٹنٹ ڈائریکٹر اطلاعات اپنے عہدے کے لحاظ سے اکیڈمی کی مجلسِ منتظمہ کے رکن قرار پائے۔ ادب ولسانیات، تاریخ وثقافت کی تصانیف کے علاوہ دوسری زبانوں سے اردو تراجم بھی اس اکیڈمی کا کارنامہ ہیں۔ ۱۹۶۱ء سے سہ ماہی اردو مجلّہ "الزبیر" بھی شائع ہو رہا ہے۔

علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی

پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے تحت قومی زبان کو بطور ذریعہ تعلیم اختیار کرتے ہوئے ۱۹۷۴ء میں "پیپلز اوپن یونیورسٹی" کے نام سے ایک یونیورسٹی قائم ہوئی جسے ۱۹۷۷ء میں شاعرِ مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کے صد سالہ جشنِ پیدائش پر "علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی" کا نام دے دیا گیا۔ اس یونیورسٹی نے اردو مختصر نویسی، ٹائپ کاری، دفتری اردو کی تربیت کے علاوہ دیگر کئی اداروں کے اشتراک سے قومی زبان کے فروغ کے لیے کئی مفید اقدامات کیے ہیں۔

وفاقی اردو یونی ورسٹی

۱۹۴۹ء میں بابائے اردو مولوی عبدالحق نے اردو کالج قائم کیا جسے ۱۳ نومبر ۲۰۰۲ء کو صدارتی حکم کے تحت وفاقی اردو یونی ورسٹی کا درجہ ملا۔ یہ پاکستان کی وہ واحد یونی ورسٹی ہے جس میں اردو زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا گیا ہے۔ وفاقی اردو یونی ورسٹی دراصل کراچی میں موجود وفاقی اردو آرٹس کالج اور وفاقی اردو سائنس کالج کو ضم کرنے کے بعد وجود میں آئی۔ موجودہ چانسلر، صدر پاکستان جناب ممنون حسین ہیں۔

اکادمی ادبیات پاکستان

۷ جولائی ۱۹۷۶ء کو وزارتِ تعلیم حکومتِ پاکستان کے حکم کے تحت ایک خودمختار ادارے کی حیثیت سے اسلام آباد میں اس کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ایک سال بعد مجلسِ نظما کا قیام اور پھر ساتھ ہی اغراض ومقاصد بھی متعین ہوئے۔ آٹھ اراکین پر مطبوعات کمیٹی جبکہ اعانتی کمیٹی سات افراد پر مشتمل تھی۔ اکادمی اہلِ قلم کانفرنسیں منعقد کروانے کے ساتھ ساتھ پاکستانی زبانوں پہ مذاکرے بھی کرواتی ہے۔ مختلف زبانوں کی کتب کے تراجم شائع کرنے کے ساتھ ساتھ ہر ماہ ''اکادمی'' کے نام سے آٹھ صفحات کا خبرنامہ بھی شائع کیا جاتا ہے۔ اکادمی ادبی تخلیقات پر انعامات بھی دیتی ہے۔

ادارہ فروغِ قومی زبان (مقتدرہ قومی زبان)

۴۔ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو کابینہ کی قرارداد کے مطابق کراچی میں اس کا قیام عمل میں لایا گیا۔ بعد ازاں ۱۹۸۲ء میں اس کا صدر دفتر کراچی سے اسلام آباد منتقل کر دیا گیا۔ پہلے صدر نشیں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی جبکہ پہلے معتمد میجر آفتاب حسین تھے۔ اردو کے فروغ اور اس کے ترقیاتی اداروں کے کام میں ربط پیدا کرنا اس کے مقاصد میں شامل ہے۔ اب اس کا نام بدل کر ''ادارہ فروغِ قومی زبان'' رکھ دیا گیا ہے۔

ادارہ ثقافتِ اسلامیہ

اس ادارہ کا قیام ۱۹۵۰ء میں لاہور میں عمل میں لایا گیا۔ اسلامی تصورات و تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ساتھ ادبیات اور دیگر کئی موضوعات پر کتب کی تصنیف ادارے کے مقاصد میں شامل ہیں۔ اس کے پہلے سربراہ خلیفہ عبدالحکیم تھے۔ اس ادارہ کے زیرِ اہتمام مجلّہ ''المعارف'' شائع ہوتا ہے جس کا ابتدائی نام ''ثقافت'' تھا۔

اقبال اکادمی پاکستان

افکارِ اقبال کی ترویج و اشاعت کے لیے اقبال اکادمی نیم سرکاری ادارہ کی حیثیت سے ۱۹۵۱ء میں کراچی میں قائم کی گئی لیکن ۱۹۷۷ء سے پہلے اسے لاہور میں علامہ اقبال کے میکلوڈ روڈ والے مکان میں منتقل کر دیا گیا۔ ۱۹۶۲ء کے صدارتی حکم پر اسے تنظیمی حیثیت دے دی گئی جس کے مطابق اس ادارہ کے سرپرستِ اعلیٰ، صدرِ مملکت اور صدر وفاقی وزیرِ تعلیم ہوتے ہیں۔ نائب صدر اور خازن کا تقرر وفاقی حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے جو تین سالوں کے لیے ہوتا ہے۔

بزمِ اقبال

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کے افکار و تعلیمات پر ہونے والے تحقیقی کام کی حوصلہ افزائی کے لیے حکومتِ پنجاب نے سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ ۱۸۶۰ء (Societies Registration Act,1860) کے تحت بزمِ اقبال ۱۹۵۰ء

میں لاہور میں قائم کی۔'بورڈ آف گورنرز' جس کا تقرر تین سال کے لیے حکومت کرتی ہے، اس کی تمام ذمہ داریوں کی نگرانی کرتا ہے۔۱۹۵۸ء میں نئے سرے سے اس کی تشکیل کر کے وزیرِ تعلیم (مغربی پاکستان) کو چیئرمین، جسٹس ایس اے رحمان کو وائس چیئرمین جبکہ ناظم تعلیمات لاہور کو معتمد عمومی مقرر کیا گیا۔اس ادارہ سے اردو کے علاوہ انگریزی اور پنجابی میں بھی کتب شائع ہوتی ہیں۔۱۹۵۲ء سے اردو اور انگریزی میں سہ ماہی رسالہ ''اقبال'' شائع ہوتا ہے۔

ادارہ مصنّفینِ پاکستان

پاکستانی مصنفین کے حقوق اور مفادات کے تحفظ کے ساتھ ساتھ خیالات و ثقافت کے آزادانہ اظہار، دارالاشاعت کے قیام، ادیبوں کے مشترکہ بیمہ، کاپی رائٹ ایکٹ اور بیرونِ ملک پاکستانی ادب کی اشاعت کے لیے جنوری ۱۹۵۹ء میں پاکستان رائٹرز گلڈ کنونشن میں 'ادارہ مصنّفینِ پاکستان' کا نام، اغراض و مقاصد اور عہدیداران کے نام طے کیے گئے۔اس وقت کے وفاقی دارالحکومت کراچی میں ادارہ کا مرکزی دفتر کھولا گیا جب کہ علاقائی دفاتر لاہور اور ڈھاکہ میں کھولے گئے۔پہلے معتمدِ عام قدرت اللہ شہاب، پہلے خازن اعزازی، عبدالعزیز خالد جب کہ افسرِ رابطہ جمیل الدین عالی منتخب ہوئے۔ابتدا میں سرکاری سرپرستی کے سبب ادیبوں کی کافی حوصلہ افزائی کی گئی۔ادارہ کی طرف سے جاری کردہ ماہنامہ 'ہم قلم' اور ششماہی 'قلم کار' میں اعلیٰ پائے کی تخلیقات نے اردو ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔یہ رسائل فنڈ کی عدم دستیابی کے سبب جاری نہ رہ سکے۔لاہور سے ماہنامہ ''اخبارِ مصنّفین'' جاری ہوا جسے بعد میں ''خبرنامے'' کا نام دے کر جاری رکھا گیا۔

نیشنل بک کونسل پاکستان

یہ ادارہ ۱۹۶۰ء میں 'نیشنل بک سینٹر' کے نام سے کراچی میں قائم ہوا جس کے پہلے ڈائریکٹر ابنِ انشاء مقرر ہوئے۔۱۹۶۴ء میں لاہور شاخ جب کہ ۱۹۶۵ء میں ڈھاکہ میں اس ادارہ کی ذیلی شاخ کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۹۷۵ء میں صدر دفتر اسلام آباد منتقل کر کے اس کا نام 'نیشنل بک کونسل' رکھ دیا گیا اور کراچی اور لاہور کے دفاتر کو ذیلی حیثیت دے دی گئی۔لاہور کے ذیلی دفتر سے شائع کردہ ماہنامہ 'کتاب' نے اپنے معلوماتی اور مفید مضامین کے سبب فروغِ اردو میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

نیشنل بک فاؤنڈیشن

قومی اسمبلی سے ایکٹ کی منظوری کے بعد ۱۹۷۲ء میں وفاقی حکومت کی تین کروڑ روپے کی امداد سے 'نیشنل بک فاؤنڈیشن' کا قیام عمل میں آیا جس کا صدر دفتر اسلام آباد میں جب کہ چاروں صوبوں میں ذیلی شاخوں کے ساتھ ساتھ راولپنڈی، سکھر اور ملتان میں بھی دفاتر قائم ہوئے۔ادارہ کے مقاصد غیر ملکی زبانوں سے قومی زبان اور علاقائی زبانوں میں تراجم اور اسی طرح ان زبانوں سے غیر ملکی زبانوں میں تراجم کروا کے کتب

شائع کروانا، کتب کی درآمد اور اس کے لیے مالی مدد کے علاوہ شرح خواندگی میں اضافہ کرنا ہے۔ ادارہ کے ایسے کئی اقدامات سے قومی زبان کے فروغ میں مدد ملی ہے۔

ادارہ ثقافتِ پاکستان، اسلام آباد

اگر چہ اس ادارہ کے قیام کا مقصد قومی ثقافت اور فنونِ لطیفہ کو فروغ دینا تھا تاہم ذریعۂ اظہار اردو اختیار کرنے کے سبب قومی زبان کو فروغ حاصل ہوا۔ ۱۹۷۲ء میں صدارتی حکم کے تحت قائم ہونے والے اس ادارے کا پہلا نام 'نیشنل کونسل آف دی آرٹس' تھا جسے ۱۹۷۳ء میں پارلیمانی ایکٹ کے ذریعے توثیق کے بعد قانونی حیثیت حاصل ہوگئی۔ قومی ثقافت کو قومی زبان کے ذریعے فروغ دینے کے لیے ادارے نے دفتری امور اور دیگر تمام سرگرمیوں کے لیے اردو زبان کے استعمال سے قومی زبان کو فروغ حاصل ہوا ہے۔

قومی ادارہ برائے تاریخی و ثقافتی تحقیق

کے کے عزیز کی سربراہی میں تاریخی و ثقافتی تحقیق کے لیے ۱۹۷۳ء میں قائم ہونے والے کمیشن کے اگر چہ نہ تو واضح طور پر فروغِ اردو کے مقاصد تھے اور نہ ہی قومی زبان کو اپنایا گیا تاہم کمیشن کو قومی ادارہ کی حیثیت ملنے کے بعد اردو زبان میں انتہائی اہم کتب کی اشاعت سے بالواسطہ طور پر قومی زبان کو فروغ حاصل ہوا۔

پنجاب آرٹس کونسل

یہ ایک خود مختار ادارہ ہے جس کا قیام پنجاب کونسل آف دی آرٹس ایکٹ ۱۹۷۵ء کے تحت عمل میں آیا۔ اس کا کام آرٹ اور کلچر سے متعلق سرگرمیوں میں حکومت کو تجاویز دینا ہے۔ یہ ادارہ کئی شعبوں میں کام کر رہا ہے۔ ادب کے میدان میں پنجاب میں قومی زبان اور علاقائی زبانوں کی حوصلہ افزائی سے تحریر و تخلیق کو فروغ حاصل ہوا ہے۔ کئی اہم اور حوالہ جاتی کتب، اشاریے، رسائل اور ادبی تقریبات کے سبب فروغِ اردو کے لیے اس کا کردار واضح ہے۔ ڈویژنل سطح پہ اس کی کئی ذیلی شاخیں ہیں جن میں ملتان آرٹس کونسل، بہاول پور آرٹس کونسل، ڈیرہ غازی خان آرٹس کونسل، استاد نصرت فتح علی خان آڈیٹوریم فیصل آباد آرٹس کونسل، راولپنڈی آرٹس کونسل، گجرانوالہ آرٹس کونسل، سرگودھا آرٹس کونسل، مری آرٹس کونسل، وارث شاہ میموریل کمپلیکس شامل ہیں۔

مجلسِ زبانِ دفتری حکومتِ پنجاب

اس ادارہ کا قیام ۱۹۴۹ء میں عمل میں آیا جس کا مقصد پنجاب کے سرکاری دفاتر اور عدالتوں میں اردو کے نفاذ کے لیے حکومت کو تجاویز دینا تھا۔ اپنے دور کی کئی اہم شخصیات اس سے وابستہ رہیں۔ رسالہ 'اردو نامہ' کا اجرا ہوا۔ اس کی چھ ذیلی مجالس میں سے لسانی مجلس کی سفارشات پر 'مجلس مترجمین' قائم ہوئی۔ دفتری اصطلاحات و محاورات، لغت کے علاوہ فارموں، قواعد و ضوابط اور دساتیر العمل کے تراجم کیے گئے۔ اردو ٹائپ مشینوں، مختصر نویسی کے تربیتی مراکز اور قومی زبان کو دفتری زبان بنانے میں حائل رکاوٹوں کا حل تلاش کرنے کی کوششیں

قابلِ تحسین ہیں۔اگر چہ اس ادارہ کی کوششوں سے پنجاب حکومت نے ۱۹۵۰ء میں ضلعی دفاتر میں اردو کے نفاذ کے احکامات،۱۹۵۳ء میں اردو مختصر نویسی اور ٹائپ کاری کے تربیت یافتہ ملازمین کو مالی فوائد دینے کے احکامات،۱۹۶۵ء میں ترقیاتی اداروں میں اردو کے استعمال کے احکامات،۱۹۷۲ء میں تمام دفاتر میں انگریزی کے بجائے اردو زبان کو اختیار کرنے کے احکامات اور ۱۹۷۹ء میں پنجاب کے تمام سرکاری محکموں کے سربراہوں کو کیفیت نویسی کا کام اردو میں سرانجام دینے کے احکامات تو دیے لیکن ان پر کماحقہ عمل نہ ہو سکا۔

ان تمام اداروں کے قیام کا ایک طرف اگر چہ واضح مقصد تو قومی زبان کا فروغ تھا لیکن صحیح معنوں میں فروغ تبھی ممکن تھا جب اردو کو بطور قومی زبان نافذ کروایا جاتا۔کتنی حیرت کی بات ہے کہ پاکستان کو قائم ہوئے ستر سال ہونے کو ہیں لیکن آج بھی فروغِ اردو کے لیے قائم کردہ ادارے ملکِ خداداد کی قومی زبان کے اپنی حیثیت اور اصلی مقام و مرتبہ دینے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔

''دنیا کی کون سی قوم ایسی ہے جو آزادی کے ستر برس بعد بھی ایسی غیر ملکی زبان کو سینے سے لگائے رکھے جس کو قوم کے نوے فی صدا فراد نہیں سمجھتے۔'' (۲۳)

تاریخ میں مختلف شہروں مثلاً لاہور یا پھر دلّی پر مسلسل حملوں کی طرح اردو زبان پر بھی کئی بار حملے ہوئے ہیں جو اس زبان کو آج تک سہنا پڑ رہے ہیں:

''اردو پر کچھ حملے گوروں نے کیے، کچھ کالوں نے، کچھ ایسٹ انڈیا کمپنی کے حاکموں نے، کچھ ہندوؤں نے اور کچھ مسلمانوں نے اور اب کچھ ہندوستان میں ہو رہے ہیں اور کچھ پاکستان میں بھی۔'' (۲۴)

زبان ایک ایسی بنیاد ہے جس کے سبب لوگوں میں اتفاق یا نفاق پیدا کرنا ممکن ہے۔یہی سبب ہے کہ بدیشی حاکموں نے اپنی آمد کے ساتھ ہی اردو، عربی اور فارسی کو مٹانے کی مہم شروع کر دی۔آگے چل کر مسلمانوں کی نفاذِ اردو کے لیے کوششیں تحریکِ پاکستان کا حصہ قرار پائیں اور یوں ڈیفنس آف اردو کے نام سے انجمن اور پھر ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کے قیام کے بعد اردو کو مسلمانوں کی زبان سمجھا جانے لگا جس سے اردو کے حوالے سے کئی نزاعات تحریکِ پاکستان کا حصہ بنتے رہے۔قیامِ پاکستان کے بعد اسی جوش و جذبے کو محسوس کرتے ہوئے بانیٔ پاکستان نے اردو کو قومی زبان کا درجہ دے کر مسلمانوں کے جذبات کی قدر کی اور کچھ ہی عرصے میں کراچی میں منعقدہ تعلیمی کانفرنس، لاہور میں ترقی پسندوں کی کانفرنس، پنجاب یونیورسٹی میں ہونے والی اردو کانفرنس اور کئی اہم فیصلوں نے عوام کے اندر نئی امیدیں پیدا کیں۔

یکم جون ۱۹۸۴ء کو راجہ ظفر الحق نے اپنی دونوں وزارتوں، وزارتِ مذہبی امور اور وزارتِ اطلاعات و نشریات میں اردو کے نفاذ کے لیے احکامات صادر کیے جن پر عمل نہ ہو سکا۔۲۰۰۹ء میں قومی زبان تحریک کا آغاز

کیا گیا اور ۲۰۱۴ء میں اس تحریک کی کوشش سے پاکستان کی عدالتِ عظمیٰ نے نفاذِ اردو کے لیے جمع شدہ ۲۰۰۲ء کی ایک پرانی فائل جس پر ۸ ستمبر ۲۰۱۵ء کو چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس جواد ایس خواجہ نے آئینِ پاکستان کی شق ۲۵۱ اور قائدِ اعظم محمد علی جناح کے فرمودات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پورے پاکستان میں نفاذِ اردو کا فیصلہ دیا ہے۔(۴۵)

اگر چہ بعض اداروں نے اس فیصلے کو تسلیم کرتے ہوئے اس پر اپنے تئیں عمل درآمد کی کوشش کی ہے جن میں سیکیوریٹیز اینڈ ایکسچینج کمیشن آف پاکستان کی طرف سے تمام قوانین کو اردو میں ترجمہ کرنے کا کام بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ان میں سیکوریٹیز ایکٹ ۲۰۱۵ء، انشورنس آرڈیننس ۲۰۰۰ء، سیکوریٹیز اینڈ ایکسچینج کمیشن آف پاکستان ایکٹ ۱۹۹۷ء، اسٹاک ایکسچینج (کارپوریٹائزیشن، ڈی میوچلائزیشن اور انضمام) ایکٹ ۲۰۱۲ء، انسدادِ تطہیرِ زر ایکٹ ۲۰۱۰ء، سینٹرل ڈیپازیٹری ایکٹ ۱۹۹۷ء، مضاربہ کمپنیز اور مضاربہ (فلوٹیشن اینڈ کنٹرول) آرڈیننس ۱۹۸۰ء، بی لیٹرز اور ٹرانسفر ایجنٹس قواعد ۲۰۱۵ء، ذمہ نویس قواعد ۲۰۱۵ء، کلیئرنگ ہاؤسز (ریگولیشن اینڈ رجسٹریشن) قواعد ۲۰۰۵ء، یک رکنی کمپنیز قواعد ۲۰۰۳ء، کمپنیز شیئر کیپیٹل (حقوق و استحقاقات میں تغیرات) قواعد ۲۰۰۰ء، کمپنیز (انڈر ٹیکنگ/ منسلک کمپنیز میں سرمایہ کاری) ضوابط ۲۰۱۲ء، گروپ کمپنیوں کی رجسٹریشن اور قواعد وضوابط ۲۰۰۸ء، تنازعات کے تصفیے کے لیے کمیٹی (دستور وطریقہ کار) قوانین ۲۰۱۵ء، کمپنیز (کاسٹ اکاؤنٹس کا آڈٹ) قوانین ۱۹۹۸ء، اپلیٹ بینچ قواعد ۲۰۰۳ء، بینک انشورنس ریگولیشن ۲۰۱۵ء، ریسرچ تجزیہ کار ریگولیشن ۲۰۱۵ء جیسے تراجم تو اپنی جگہ انتہائی اہم اور حوصلہ افزا ہیں تاہم اس کاوش کے علاوہ اسی ادارہ یعنی ایس ای سی پی کے شعبۂ تراجم نے اسٹاک ایکسچینج، کیپیٹل مارکیٹ اور کارپوریٹ کے شعبے میں استعمال کیے جانے والے انگریزی الفاظ کی اردو لغت تیار کرنے کا کارنامہ سرانجام دے کر قومی زبان کے حق میں انتہائی مفید کوشش کی ہے۔(۴۶)

مزید برآں اردو سافٹ ویئر کے لیے 'کرلپ' (Centre For Research in Urdu Language & Processing) کی طرف سے متبادل الفاظ کے لیے ماہرین کی محنت قابلِ تحسین ہے۔ان سب کاموں کے پیچھے قومی زبان سے محبت کا جذبہ کارفرما ہے جس کی سرکاری طور پر ستائش سے حوصلہ افزا نتائج سامنے لائے جا سکتے تھے۔پنجاب یونی ورسٹی ہو یا دیگر یونی ورسٹیوں کے شعبہ جات ہوں، سبھی نے فروغِ اردو میں اپنا کردار ادا کیا اور اب بھی خاطر خواہ حصہ ڈال رہے ہیں، پنجاب یونی ورسٹی سے ڈاکٹر سید عبداللہ کی خدمات فروغِ اردو کے لیے ناقابلِ فراموش ہیں، جس سے قومی زبان کو بہت زیادہ فروغ اور ارتقا نصیب ہوا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد سے اردو کے فروغ میں حصہ ڈالنا نہ صرف ادب کی خدمت ہے بلکہ آئینی اور قومی ذمہ داری بھی بنتی ہے۔لیکن نفاذِ اردو کے عدالتی فیصلوں پر عمل درآمد کی راہ میں خود پاکستان کی افسر شاہی، زبان کے معاملے

میں احساسِ کمتری کے سبب رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔اس بات کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مختلف اداروں کو نفاذِ اردو کے لیے لکھے گئے مراسلہ جات کی زبان انگریزی ہوتی ہے۔

''انگریزی کو سرکاری زبان بنانے سے ایک طبقاتی نظام وجود میں آیا ہے اور عوام اور خواص میں ایک فاصلہ پیدا ہوا ہے۔اردو کو سرکاری زبان بنانے سے یہ فاصلہ بھی کم ہوگا۔''(۲۷)

قومی فریضہ کا احساس رکھنے والے ادیبوں نے نفاذِ اردو کے حوالے سے ہونے والی کانفرنسوں میں ان معاملات کو اٹھانے کی کوشش کی ہے۔

''مارچ ۲۰۱۷ء میں ہائر ایجوکیشن کمیشن کی طرف سے کراچی میں پبلک سیکٹر یونی ورسٹیوں کے شعبہ اردو کے سربراہان کو نفاذِ اردو کے حوالے سے خصوصی اجلاس میں مدعو کیا گیا۔اس اجلاس میں منظور کی گئی قرارداد میں کہا گیا کہ اردو زبان کے دامن میں اتنی وسعت پیدا ہو چکی ہے کہ اسے فوری طور پر نافذ کیا جاسکتا ہے،لیکن تا حال اس کا کوئی عملی نتیجہ نہیں نکلا۔اس اجلاس میں میں نے یہ تجاویز پیش کیں کہ تمام جامعات اپنے ہاں دارالترجمہ قائم کریں اور بی اے اور بی ایس چار سالہ پروگرام کے تمام شعبوں میں اردو کریڈٹ آورز کا اردو کورس لازمی قرار دیا جائے،نیز وفاقی اور صوبائی ہائر ایجوکیشن کمیشن کو اردو کے فروغ کے لیے خصوصی فنڈ مختص کرنے چاہئیں۔''(۲۸)

حیرت کی بات ہے کہ ان ممالک میں بسنے والے محبانِ اردو، کہ جن کی قومی زبان اردو نہیں ہے،وہ اردو سے محبت نبھاتے ہوئے اس کے لیے جدید ٹیکنالوجی اور مختلف سافٹ ویئرز کو نہ صرف اپنا رہے ہیں بلکہ یورپ اور امریکہ میں اردو کے کئی رسائل کامیابی سے نکل رہے ہیں لیکن ہم اپنی زبان کے استعمال اور فروغ کی کوششوں کو دقیانوسیت قرار دے کر پسِ پشت ڈالتے ہوئے اپنے آپ کو زیادہ جدید ذہنیت کا حامل سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں اس کو احساسِ کمتری سے تعبیر کیا جائے تو کچھ غلط نہ ہوگا۔

''پچھلے پانچ ہزار سالوں میں دنیا نے دو چیزیں سیکھی ہیں۔اول یہ کہ جنگیں مسائل کا حل نہیں اور دوسرا یہ کہ علم کی تحصیل اور ابلاغ صرف آپ کی اپنی زبان میں ہوسکتی ہے جس میں آپ سوچتے ہیں۔انسان صرف ماں کی زبان سیکھ کر ہی تخلیق کے درجے تک پہنچ سکتا ہے۔غیر ملکی زبان میں ہم رٹا لگا کر نمبر تو لے سکتے ہیں لیکن تخلیقی اظہار صرف قومی زبان میں ممکن ہے۔''(۲۹)

یہی نہیں بلکہ اب تو اردو جدید ٹیکنالوجی کی بدولت بین الاقوامی زبان بن چکی ہے۔یہ زبان نہ صرف پاکستان کے بیس کروڑ عوام کی زبان ہے بلکہ برِصغیر کے دوسرے ممالک کے کروڑوں لوگ یہی زبان بولتے ہیں،یہی وجہ ہے کہ ان تمام ممالک کے میڈیا میں اردو کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

''اردو کی مستقبل میں بین الاقوامی حیثیت کے بارے میں ایک اہم دلیل یہ بھی ہے کہ سی پیک (CPEC) جن جن ممالک کے زیرِ استعمال آئے گی وہاں اردو بھی پہنچے گی ۔اگر عربی، ترکی، فارسی اور ہندی، اردو زبان کی جڑوں میں شامل ہے تو پھر ان زبانوں کے ساتھ اردو کو بھی مستقبل میں اقوامِ متحدہ کی سرکاری زبان ہونا چاہیے۔''(۳۰)

آئین کے آرٹیکل ۲۵۱ جو اردو زبان کے نفاذ سے متعلق ہے اس کے بارے میں چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس جواد۔ ایس خواجہ، جسٹس دوست محمد اور جسٹس قاضی فائز عیسیٰ پر مشتمل بنچ نے جو یادگار فیصلہ سنایا تھا اس سے حکومت کی قومی زبان کے نفاذ کے بارے میں سنجیدگی کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں۔

''آرٹیکل ۵ کے ساتھ آرٹیکل ۲۵۱ میں بیان کردہ ان آئینی احکامات، حکومتی بے عملی و ناکامی کو سامنے رکھتے ہوئے اور آئین کو اس نظر سے دیکھتے ہوئے کہ اس کے تقاضوں سے صرفِ نظر ممکن نہیں، ہمارے سامنے اس حوالے سے درج ذیل احکامات جاری کرنے اور ہدایات دینے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے:

- آرٹیکل ۲۵۱ کے احکامات پر بغیر کسی غیر ضروری تاخیر کے فوراً عمل کیا جائے۔
- اوپر بیان کی گئی مراسلہ کی تاریخ (۶ جولائی ۲۰۱۵ء) جس پر عدالت کے سامنے حکومت نے وعدہ کیا ہے اس کی ہر صورت پابندی کی جائے۔
- قومی زبان کے رسم الخط کے حوالے سے وفاق اور صوبوں کو آپس میں ہم آہنگی پیدا کرنی چاہیے۔
- تمام وفاقی اور صوبائی قوانین کا تین ماہ میں اردو ترجمہ کر لیا جائے۔
- نگرانی اور ربط کے تمام ادارے تمام متعلقہ اداروں میں آرٹیکل ۲۵۱ کے نفاذ کو یقینی بنائیں۔
- قومی زبان کے استعمال کے حوالے سے متعلقہ اداروں کی سفارشات پر وفاقی سطح پر مقابلہ کے امتحان کے حوالے عمل کیا جائے۔
- عوامی مفادات کے حامل عدالتی فیصلوں اور اصولِ قانون کی وضاحت کرنے والے آرٹیکل ۱۸۹ کا لازمی طور پر اردو ترجمہ کروایا جائے۔
- عام شہری چوں کہ انگریزی زبان میں مہارت نہیں رکھتے ہیں اس لیے تمام عدالتی مقدمات میں سرکاری محکمہ اپنا جواب حتیٰ الامکان اردو میں پیش کریں تا کہ ہر شہری اپنے قانونی حقوق حاصل کر سکے۔
- اس فیصلے کے جاری ہونے کے بعد کسی سرکاری ادارہ یا اہل کار کی طرف سے آرٹیکل ۲۵۱ کی خلاف ورزی کی صورت میں اگر کسی شہری کو نقصان پہنچے گا تو اسے قانونی چارہ جوئی کا حق حاصل ہے۔

اس فیصلے کی نقول تمام وفاقی اور صوبائی معتمدین کو آرٹیکل ۵ کی روشنی میں آرٹیکل ۲۵۱ پر عمل درآمد کے لیے فوری اقدامات کی خاطر بھجوائی جائیں اور ان کو اس پر عمل درآمد کی رپورٹ تیار کر کے عدالت میں پیش کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔''(۳۱)

اس فیصلے کو پڑھتے ہوئے ہر سچا پاکستانی اس کے ایک ایک جز کی داد دے گا۔اصل میں اردو زبان کا فروغ پاکستان میں اس کے نفاذ سے ہی ممکن ہے۔۸ ستمبر ۲۰۱۵ء کو عدالتِ عظمٰی نے پورے ملک میں قومی زبان کے نفاذ کا تاریخی فیصلہ دیا ہے لیکن پورے پاکستان کے لیے عدالتِ عظمٰی کا یہ قومی فیصلہ ابھی تک عمل درآمد کا منتظر ہے۔جس کے لیے قومی زبان تحریک اور دیگر کئی ادارے بغیر سرکاری یا دیگر کسی امداد کے کوشش کر رہے ہیں۔امید کی جا سکتی ہے کہ وہ دن دور نہیں جب ان تمام کوششوں سے پاکستان کی قومی زبان کو اپنے ہی ملک میں نافذ ہونا نصیب ہو جائے گا جس کا مطلب یہ ہے کہ اردو کو سرکاری اور دفتری استعمال میں لایا جائے،تمام عدالتی امور اردو زبان میں انجام دیے جائیں اور ساتھ ہی درس و تدریس میں مکمل طور پر خلوصِ نیت سے ذریعہ تعلیم کے طور پر نافذ کیا جائے۔قوی امکان ہے کہ جس دن اس زبان کو اپنے ہی ملک میں بطور قومی زبان نافذ ہونا نصیب ہو گیا اس دن اسے صحیح معنوں میں فروغ حاصل ہو جائے گا۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) فاطمہ حسن، ڈاکٹر، اردو: ملّی یک جہتی کی علامت (مقالہ)، مشمولہ اخبارِ اردو، مئی جون ۲۰۱۷ء، ص ۹

(۲) اعجاز راہی (مرتب)، قومی زبان کی ترقی میں صوبوں کا حصہ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص ۱۳

(۳) معین الدین عقیل، ڈاکٹر، تحریکِ آزادی میں اردو کا حصہ، مجلسِ ترقی ادب، لاہور، ص ۱۷

(۴) فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، تدریسِ اردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء، ص ۹۷

(۵) فاطمہ حسن، ڈاکٹر، اردو: ملّی یک جہتی کی علامت (مقالہ)، ص ۹

(۶) عطش درانی، اردو زبان اور یورپی اہلِ قلم، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۱۴

(۷) فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، تدریسِ اردو، ص ۱۰۰

(۸) ایوب صابر، پروفیسر، (مرتب) پاکستان میں اردو کے ترقیاتی ادارے، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص ۳

(۹) سید عبداللہ، ڈاکٹر، تحریکِ نفاذِ اردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، ص ۱۹

(۱۰) جیلانی کامران، قومیت کی تشکیل اور اردو زبان، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۹۲ء، ص ۱۰۰، ۱۰۱

(۱۱) ایضاً، ص ۱۳۷ (۱۲) ایضاً، ص ۱۳۸ (۱۳) ایضاً، ص ۲۰۸

(۱۴) ایضاً، ۲۱۰، ۲۱۱ (۱۵) ایضاً، ص ۲۱۱

(۱۶) سید عبداللہ، ڈاکٹر، تحریکِ نفاذِ اردو، ص ۱۹

(۱۷) صفدر محمود، مسلم لیگ کا دورِ حکومت، غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۷۳ء، ص ۲۴۶، ۲۴۷
(۱۸) طارق رحمان، ڈاکٹر، پاکستان میں اردو انگریزی تنازع کی تاریخ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء، ص ۶۵
(۱۹) ڈاکٹر سید عبداللہ، تحریکِ نفاذِ اردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، ص ۷۸
(۲۰) طارق رحمان، ڈاکٹر، پاکستان میں اردو انگریزی تنازع کی تاریخ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء، ص ۷۶
(۲۱) وحید قریشی، ڈاکٹر، مضمون: پاکستان میں قومی زبان کا مسئلہ، روزنامہ پاکستان ۲۶ اگست ۱۹۹۹ء۔
(۲۲) مسعود مفتی، مقالہ: قومی زبان اور پاکستانی زبانیں۔۔۔ پس منظر اور پیش منظر، اخبارِ اردو مئی جون ۲۰۱۷ء، ص ۸
(۲۳) رؤف پاریکھ، مقالہ: اردو بطور سرکاری زبان۔ موجودہ صورت حال اور تاریخی تناظر، اخبارِ اردو مئی جون ۲۰۱۷ء، ص ۵
(۲۴) سید عبداللہ، ڈاکٹر، تحریکِ نفاذِ اردو، ص ۱۲
(۲۵) عزیز ظفر آزاد، کالم: جبرِ جمہور، روزنامہ نوائے وقت لاہور، یکم ستمبر ۲۰۱۶ء
(۲۶) روزنامہ ''ایکسپریس'' پاکستان، ۶ فروری ۲۰۱۶ء
(۲۷) رؤف پاریکھ، مقالہ: اردو بطور سرکاری زبان۔ موجودہ صورت حال اور تاریخی تناظر، ص ۷
(۲۸) محمد کامران، ڈاکٹر، انٹرویو، گفتگو: رؤف ظفر، ادبی صفحہ، ص ۷، روزنامہ جنگ، لاہور، ۲۰ جون ۲۰۱۷ء
(۲۹) ایضاً
(۳۰) پیرزادہ، سید سردار احمد، کالم: اردو اقوامِ متحدہ کی سرکاری زبان کیوں نہیں؟، روزنامہ نوائے وقت، ۹ دسمبر ۲۰۱۶ء
(۳۱) شق ۱۹، آئینی درخواست نمبر 112/2012 اور 56/2003۔ مورخہ ۸ ستمبر ۲۰۱۵ء (اردو ترجمہ)

❁❁❁